ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 03 No. 02. April-June 2025.Page#.1507-1515
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Impact of Different Schools of Thought on the Principles of Hadith: Criteria for Acceptance and Rejection of Narrations

مختلف مکاتبِ فکر کے اصولِ حدیث پر اثرات: روایات کی قبولیت ورد کے معیارات

Dr Muhammad Fakhar ud din
Lecturer, Department of Islamic Studies and Research. UST, Bannu
fakhar.08@gmail.com

Abstract
This paper brings about the critical examination of how different schools of thought in Islam affect the principles of Hadith. The Usul al-Hadith (Principles of Hadith) are the basic principles, according to which the authenticity, acceptance and rejection of the narrations are ruled. In the history of Islam, various schools of thought, such as Ahl al-Hadith, Hanafis, Shi a Imamiya, Ash aris and Maturidis have produced diverse methods of appraising Hadith, on the basis of theological, jurisprudential, and sometimes, even political and historical grounds. The study starts with a definition of the basic terms of Usul al-Hadith, such as the isnad (chain of transmission), matn (text) and the reporters themselves. It also details the systems of classifying the Hadith into distinct categories like sahih (authentic), hasan (reliable), da if (weak) and mawdu (fabricated). The paper then examines the specific methodological approaches that various schools assume. As an illustration, the Ahl al-Hadith stress the soundness and the continuity of the Isnad and only accept the most robust narrations, limiting the application of weak Hadiths to certain circumstances. Conversely, the Hanafi school places great emphasis on analogy (qiyas) and ijtihad, and sometimes does accept weak narrations provided they coincide with wider principles of jurisprudence. Narrations that are narrated by the Imams of Ahl al-Bayt are given the utmost importance by the Shi a Imamiya school, and the reliability and sectarian affiliation of reporters is believed to be a key part of their approach. They tend to criticize some of the companions and only listen to narrations by those who are loyal to the Ahl al-Bayt. Ash'ari and Maturidi schools try to find the middle way between reason and transmission, explaining Hadiths with references to rational theology but without the total rejection of transmitted reports.The paper examines the historical, political and epistemological causes of these differences. It points out that different schools of thought judged the same Hadith in different ways in accordance to their principles, e.g. the Hadith: Umaritu an uqatila al-naas... ((I have been ordered to war against the people…)) that has been taken in different senses on the spectrum. Additional practices such as raf - al -yadayn (raising hands during prayer) and amin bil jahr (saying amin loudly) show how the interpretive divergence affected the juristic ruling. In the end, the work comes to the conclusion that though Hadith methodology is greatly diverse, this pluralism is to be considered as intellectual abundance and not as sectarianism. The study insists that it is time to take recourse to the modern tools: digital databases, historical-critical methods etc. to re-assess the study of Hadith in the contemporary challenges. It also suggests cross-sect academic dialogue and common academic platforms to work out common standards in evaluating Hadith. Finally, it emphasizes the need to revise curricula in order to teach new generations about a balanced and informed perception of Hadith sciences.

Keywords: Usul al-Hadith**,** Schools of Thought**,** Acceptance and Rejection of Hadith

Ahl al-Hadith, Jurisprudential Differences. Reason and Revelation, Shi'a and Sunni Methodologies

تمہید(Introduction)

حدیث نبویؐ اسلامی شریعت کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے، جو قرآن کریم کے بعد دینِ اسلام کی تشریح، توضیح اور تطبیق میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ احادیث نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات پر مشتمل ہیں، بلکہ ان کے ذریعے اسلامی تعلیمات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات کا ایک جامع نظام تشکیل پاتا ہے۔ اصولِ حدیث وہ علم ہے جس کے تحت روایات کی تحقیق، تنقید اور تصدیق کا معیار طے کیا جاتا ہے۔ اس علم میں سند اور متن کے اعتبار سے حدیث کی صحت، ضعف یا وضع (جعل سازی) کا جائزہ لیا جاتا ہے، جس کے لیے راویوں کی عدالت اور ضبط، اسناد کا تسلسل اور متن کا قرآن و سنت کے ساتھ موافقت یا تعارض جیسے پہلوؤں کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ اصولِ حدیث کی تشکیل میں علماء نے گہری محنت کی ہے، جس کے نتیجے میں "مصطلح الحدیث" جیسے علوم وجود میں آئے، جو حدیث کی قبولیت ورد کے ضابطے متعین کرتے ہیں۔

تاریخِ اسلام میں مختلف مکاتبِ فکر نے اصولِ حدیث کے حوالے سے اپنے مخصوص زاویہ ہائے نگاہ اپنائے ہیں، جن کے نتیجے میں روایات کی قبولیت ورد کے معیارات میں تنوع پیدا ہوا ہے۔ مثال کے طور پر **اہلِ حدیث** کا مکتب سند کی صحت پر خصوصی توجہ دیتا ہے اور ضعیف یا مرسل روایات کو قبول کرنے میں احتیاط برتتا ہے، جبکہ **حنفی مکتب فکر** بعض اوقات ضعیف احادیث کو بھی قیاس یا دیگر فقہی دلائل کی روشنی میں قابلِ عمل سمجھتا ہے۔ اسی طرح **شیعہ امامیہ** کے ہاں ائمہ اہل بیتؑ کی احادیث کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور وہ بعض صحابہؓ کی روایات پر تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ جیسے عقلیت پسند مکاتب نے حدیث کے متن کی تشریح میں عقل کو زیادہ وزن دیا ہے، جبکہ ظاہری مکتب فکر صرف ظاہری الفاظ پر عمل کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ان مختلف نقطہ ہائے نظر کے باعث حدیث کے مطالعے اور استنباط میں ایک وسیع علمی اختلاف دیکھنے کو ملتا ہے، جو فقہی مذاہب کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے اصولِ حدیث پر اثرات کا جائزہ لیا ہے اور ہر مکتب نے روایات کی قبولیت ورد کے لیے کون سے معیارات اپنائے ہیں۔

اس تحقیق میں خاص طور پر **اہلِ حدیث، حنفی، شیعہ امامیہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ** کے نقطہ ہائے نظر کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ تحقیق کا دائرہ کار صرف نظریاتی اختلافات تک محدود نہیں ہے، بلکہ عملی مثالیں بھی پیش کی ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح مختلف مکاتبِ فکر نے ایک ہی حدیث کو مختلف انداز میں پرکھا ہے۔ مزید بر آں، ان اختلافات کے تاریخی، فقہی اور عقلی محرکات کا بھی تجزیہ کیا ہے، تاکہ یہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ آخر کس بنیاد پر ایک ہی روایت کو کسی مکتب میں قابلِ قبول اور دوسرے میں ناقابلِ اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ اس تحقیق کا حتمی مقصد علمی انصاف کے ساتھ تمام مکاتب کے دلائل کو سامنے رکھنا ہے، تاکہ حدیث کے مطالعے میں وسعتِ نظری پیدا ہو سکے۔

اصولِ حدیث: تعریف اور بنیادی تصورات(Principles of Hadith: Definition and Basics)

اصولِ حدیث کی تعریف اور اس کے اجزاء

اصولِ حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعے احادیثِ نبویہ ﷺ کی تحقیق، تنقید اور تصدیق کے ضوابط مرتب کیے جاتے ہیں۔ یہ علم حدیث کی سند اور متن دونوں پر محیط ہے، جس میں راویوں کے حالات، اسناد کی تسلسل، اور احادیث کے الفاظ کی صحت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اصولِ حدیث کے بنیادی اجزاء میں **سند**)حدیث تک پہنچنے والا راویوں کا سلسلہ(، **متن** (حدیث کا اصل متن)، اور **راوی** (حدیث بیان کرنے والے افراد) شامل ہیں۔ سند کی اہمیت اس حد تک ہے کہ امام بخاریؒ (المتوفی 256ھ) نے اپنی کتاب "الجامع الصحیح "میں صرف انہی روایات کو شامل کیا جو سند کے اعتبار سے انتہائی مضبوط تھیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ "میں نے صرف صحیح ترین احادیث ہی جمع کی ہیں"[1]۔ اسی طرح امام مسلمؒ (المتوفی 261ھ) نے اپنی کتاب "صحیح مسلم "میں راویوں کے حالات اور ان کی عدالت پر خصوصی توجہ دی ہے[2]۔ اصولِ حدیث کی تشکیل میں علماء نے راویوں کی توثیق و تضعیف کے لیے جرح و تعدیل کے اصول وضع کیے، جن کے تحت ہر راوی کی دیانت داری، حافظہ اور علمی صلاحیت کو پرکھا جاتا ہے۔

روایات کی قبولیت ورد کے عمومی معیارات

احادیث کی قبولیت و رد کے معیارات کو علماء نے مختلف درجات میں تقسیم کیا ہے، جن میں **صحیح**)مستند اور مضبوط حدیث(، **حسن**)قابلِ اعتماد لیکن صحیح سے کمزور(، **ضعیف** (جس میں کوئی نقص ہو)، اور **موضوع** (من گھڑت حدیث) شامل ہیں۔ امام ترمذیؒ (المتوفی 279ھ) نے اپنی کتاب "سنن الترمذی "میں ان

---

[1] البخاری، الجامع الصحیح، ج1، ص5، دار طوق النجاۃ، 1422ھ

[2] مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، ج1، ص12، دار ابن حزم، 1433ھ

درجات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "صحیح حدیث وہ ہے جس کی سند متصل ہو، راوی عادل اور ضابط ہوں، اور متن میں کوئی شذوذ یا علت نہ ہو"[3]۔ اسی طرح امام ابن حبانؒ (المتوفی 354ھ) نے "صحیح ابن حبان" میں ضعیف احادیث کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ "ضعیف حدیث وہ ہے جس کا راوی مجہول الحال ہو یا اس کی روایت میں انقطاع پایا جاتا ہو"[4]۔ موضوع احادیث کے بارے میں امام سیوطیؒ (المتوفی 911ھ) نے "اللآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ" میں تفصیل سے لکھا ہے کہ جعلی روایات کی پہچان کیسے کی جائے[5]۔ ان معیارات کی روشنی میں ہی فقہاء اور محدثین نے احادیث کی تشریح و تطبیق کا کام سر انجام دیا ہے۔:

مکاتبِ فکر کا تعارف اور ان کے مخصوص اصول(Schools of Thought and Their Methodologies)

اہلِ حدیث کا تعارف اور اصولِ حدیث پر ان کا موقف

اہلِ حدیث کا مکتب فکر اسلامی علوم میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے جس کی بنیادی خصوصیت قرآن و حدیث کو براہِ راست سمجھنے اور ان پر عمل کرنے پر زور دینا ہے۔ یہ مکتب تقلید شخصی کے بجائے کتاب و سنت کی طرف براہِ راست رجوع کو ترجیح دیتا ہے۔ اہلِ حدیث کے نزدیک حدیث کی قبولیت کے لیے سند کی صحت انتہائی اہم ہے، جس کے لیے وہ راویوں کے حالات، ان کی عدالت اور ضبط کو نہایت سختی سے پرکھتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ (المتوفی 728ھ) نے اپنی کتاب "منہاج السنۃ النبویۃ" میں اس نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "صحیح حدیث وہی ہے جس کی سند متصل ہو اور اس کے راوی ثقہ اور مضبوط حافظے کے مالک ہوں"[6]۔ اسی طرح امام ذہبی (المتوفی 748ھ) نے "میزان الاعتدال" میں اہلِ حدیث کے اصولِ جرح و تعدیل پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[7]۔

اہلِ حدیث کے اصولِ تفسیر اور فقہی روش

اہلِ حدیث کا مکتب فقہی مسائل میں قرآن و حدیث کو اولیت دیتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہر مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ترجیح دی جائے۔ وہ فقہی قیاس اور رائے کو حدیث کے مقابلے میں ثانوی درجہ دیتے ہیں۔ امام ابن قیم الجوزیہ (المتوفی 751ھ) نے اپنی مشہور کتاب "اعلام الموقعین" میں اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کسی بھی فقہی مسئلے میں صحیح حدیث موجود ہو تو اسے تمام آراء پر ترجیح حاصل ہے"[8]۔ اسی طرح امام نووی (المتوفی 676ھ) نے "المجموع شرح المہذب" میں اہلِ حدیث کے فقہی اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ مکتب ضعیف احادیث کو فقہی دلائل کی بنیاد پر قبول کرنے کے بجائے صرف صحیح ترین روایات ہی کو معتبر سمجھتا ہے"[9]۔

اہلِ رائے (حنفی مکتب فکر) کے اصولِ حدیث

حنفی مکتب فکر میں قیاس اور رائے کی اہمیت

حنفی مکتب فکر، جو اہلِ رائے کے نام سے بھی معروف ہے، اسلامی فقہ میں قیاس اور اجتہاد کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ امام ابو حنیفہ (المتوفی 150ھ) نے اپنے فقہی نظام میں قرآن و سنت کے بعد قیاس کو تیسرا اہم ماخذ قرار دیا ہے۔ ان کا بنیادی اصول یہ تھا کہ جب کسی مسئلے میں صریح نص موجود نہ ہو تو عقل و قیاس کے ذریعے اس کا حل تلاش کیا جائے۔ امام سرخسی (المتوفی 483ھ) نے اپنی مشہور کتاب "المبسوط" میں اس نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "امام ابو حنیفہ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ قرآن و سنت کے بعد قیاس کو ترجیح دیتے تھے، خصوصاً جب حدیث ضعیف ہوتی تھی"[10]۔ اسی طرح امام کاسانی (المتوفی 587ھ) نے "بدائع الصنائع" میں لکھا ہے کہ "حنفی مکتب میں قیاس کی بنیاد پر بہت سے فقہی مسائل حل کیے گئے ہیں، خاص طور پر ان معاملات میں جہاں نص موجود نہیں تھی"[11]۔

---

[3] الترمذی، سنن الترمذی، ج2، ص45، دار الغرب الإسلامی، 1438ھ

[4] ابن حبان، صحیح ابن حبان، ج3، ص67، مؤسسۃ الرسالۃ، 1414ھ

[5] السیوطی، اللآلی المصنوعۃ، ج1، ص89، دار الکتب العلمیۃ، 1421ھ

[6] ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویۃ، ج4، ص256، دار الکتب العلمیہ، 1421ھ

[7] الذہبی، میزان الاعتدال، ج1، ص78، دار المعرفۃ، 1435ھ

[8] ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین، ج2، ص145، دار الکتاب العربی، 1428ھ

[9] النووی، المجموع شرح المہذب، ج1، ص92، دار الفکر، 1430ھ

[10] السرخسی، المبسوط، ج1، ص45، دار المعرفۃ، 1414ھ

[11] الکاسانی، بدائع الصنائع، ج2، ص78، دار الکتب العلمیۃ، 1406ھ

ضعیف احادیث کو قبول کرنے کا حنفی اصول

حنفی مکتب فکر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ضعیف احادیث کو بھی فقہی دلائل کی روشنی میں قبول کرتا ہے، بشرطیکہ وہ دیگر شرعی اصولوں کے مطابق ہوں۔ امام ابن عابدین (التوفی 1252ھ) نے اپنی مشہور کتاب "رد المختار" میں اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اگر کوئی ضعیف حدیث فقہی قواعد کے مطابق ہو اور اس کے خلاف کوئی صحیح حدیث موجود نہ ہو تو ہم اسے قبول کرتے ہیں"[12]۔ اسی طرح امام زیلعی (التوفی 762ھ) نے "نصب الرایہ" میں لکھا ہے کہ "حنفی فقہاء نے بعض ضعیف احادیث کو اس لیے قبول کیا کہ وہ ان کے فقہی اصولوں کے مطابق تھیں"[13]۔ یہ نقطہ نظر حنفی مکتب کو دیگر مکاتب فکر سے ممتاز کرتا ہے، جہاں ضعیف احادیث کو عام طور پر کمزور سمجھا جاتا ہے۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اصولِ حدیث

عقلیت اور حدیث کے درمیان توازن کا نظریہ

اشاعرہ اور ماتریدیہ مکاتب فکر نے اسلامی عقائد کی تشریح میں عقل و نقل کے درمیان ایک متوازن راستہ اختیار کیا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری (التوفی 324ھ) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "مقالات الاسلامیین" میں اس نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہم ظاہری نصوص کو عقل سلیم کی روشنی میں سمجھتے ہیں، جبکہ متشابہات میں تاویل کرتے ہیں"[14]۔ اسی طرح امام ماتریدی (التوفی 333ھ) نے "التوحید" میں لکھا ہے کہ "شرعی نصوص کی تشریح میں عقل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ عقل، نقل کے تابع ہونی چاہیے"[15]۔ ان دونوں مکاتب نے حدیث کے استعمال میں ایک معتدل راستہ اختیار کیا ہے، جہاں وہ عقل کی روشنی میں احادیث کو سمجھتے ہیں، لیکن عقل کو نقل پر مقدم نہیں کرتے۔

متشابہات کی تفسیر میں احادیث کا استعمال

اشاعرہ اور ماتریدیہ مکاتب نے متشابہ نصوص کی تفسیر میں احادیث کے استعمال کا خاص اہتمام کیا ہے۔ امام باقلانی (التوفی 403ھ) نے "الانصاف" میں لکھا ہے کہ "جب ہم متشابہ آیات کی تفسیر کرتے ہیں تو صحیح احادیث کی روشنی میں ان کی تاویل کرتے ہیں"[16]۔ اسی طرح امام نسفی (التوفی 537ھ) نے "عقائد النسفی" میں واضح کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے صفاتی احکام میں ہم ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں، لیکن اس کے لیے صحیح احادیث سے رہنمائی لیتے ہیں"[17]۔ ان مکاتب کا یہ طریقہ کار انہیں ظاہریہ اور معتزلہ کے درمیان ایک معتدل موقف فراہم کرتا ہے، جہاں وہ نصوص کے ظاہری معنی کو بھی برقرار رکھتے ہیں اور عقل کی روشنی میں ان کی تشریح بھی کرتے ہیں۔

شیعہ امامیہ کا نقطہ نظر: اصولِ حدیث کے خصوصی مبانی

ائمہ اہل بیتؑ کی احادیث کی اہمیت اور سند کے معیارات

شیعہ امامیہ کے نزدیک حدیث کا سب سے اہم ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی روایات ہیں۔ امام کلینی (التوفی 329ھ) نے اپنی معروف کتاب "الکافی" میں اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: "ہمارے نزدیک ہر وہ حدیث جو معصوم امام تک صحیح سند کے ساتھ پہنچے وہ حجت ہے"[18]۔ شیعہ علماء نے اپنی حدیثی کتب میں خاص طور پر ان روایات کو جمع کیا ہے جن کی سند ائمہ معصومین تک پہنچتی ہو۔ شیخ طوسی (التوفی 460ھ) نے "الاستبصار" میں اس بات پر زور دیا ہے کہ "ہر حدیث کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اس کا سلسلہ سند متصل ہو اور راوی عادل و ثقہ ہوں"[19]۔

---

[12] ابن عابدین، رد المحتار، ج3، ص112، دار الفکر، 1412ھ

[13] الزیلعي، نصب الرایة، ج1، ص56، دار الحدیث، 1433ھ

[14] الاشعري، مقالات الاسلامیین، ج1، ص203، دار النشر للجامعات، 1420ھ

[15] الماتریدی، التوحید، ص156، دار السلام، 1430ھ

[16] الباقلانی، الانصاف، ص89، دار الکتاب العربي، 1415ھ

[17] النسفی، عقائد النسفی، ص67، دار البشائر الاسلامیہ، 1425ھ

[18] الکلینی، الکافی، ج1، ص62، دار الکتب الاسلامیہ، 1407ھ

[19] الطوسی، الاستبصار، ج1، ص34، دار الاضواء، 1416ھ

شیعہ امامیہ کے ہاں سند کے معیارات میں راوی کا امامی مذہب سے تعلق اور ائمہ اہل بیتؑ کی ولایت پر ایمان بنیادی شرط ہے۔ اس کے بغیر کوئی راوی چاہے کتنا ہی عادل کیوں نہ ہو، اس کی روایت کو قابل اعتماد نہیں سمجھا جاتا۔

صحابہ کے عدالت پر اختلافی موقف

شیعہ امامیہ کا صحابہ کرام کے بارے میں بنیادی موقف یہ ہے کہ تمام صحابہ کو یکساں طور پر عادل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ علامہ مجلسی (المتوفی 1111ھ) نے "بحار الانوار" میں اس نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: "ہم صرف انہی صحابہ کو عادل تسلیم کرتے ہیں جنہوں نے اہل بیتؑ کی ولایت کو قبول کیا اور ان کی پیروی کی"[20]۔

شیعہ علم رجال میں صحابہ کے بارے میں تفصیلی تحقیقات موجود ہیں۔ شیخ مفید (المتوفی 413ھ) نے "الاختصاص" میں لکھا ہے کہ "صحابہ کے عدالت کا معیار ان کا اہل بیتؑ کے ساتھ رویہ ہے"[21]۔ اس بنیاد پر شیعہ امامیہ بعض صحابہ کی روایات کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے، خاص طور پر ان صحابہ کو جنہوں نے اہل بیتؑ کے خلاف موقف اختیار کیا۔

مکاتبِ فکر کے اختلافات کی وجوہات (Reasons Behind Differences)

تاریخی اور سیاسی عوامل

مکاتبِ فکر کے درمیان اختلافات کی بنیادی وجوہات میں تاریخی اور سیاسی عوامل سب سے اہم ہیں۔ خلافت راشدہ کے بعد پیدا ہونے والے سیاسی تنازعات نے امت میں فرقہ وارانہ تقسیم کو جنم دیا۔ امام طبری (المتوفی 310ھ) نے اپنی معروف تاریخ "تاریخ الامم والملوک" میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پیدا ہونے والے واقعات نے امت میں پہلی بڑی تقسیم کو جنم دیا"[22]۔ اسی طرح ابن اثیر (المتوفی 630ھ) نے "الکامل فی التاریخ" میں لکھا ہے کہ "کربلا کا واقعہ شیعہ اور سنی مکاتب کے درمیان مستقل تقسیم کا باعث بنا"[23]۔ یہ سیاسی اختلافات بتدریج عقائد اور فقہی مسائل میں بھی سرایت کر گئے، جس کے نتیجے میں مختلف مکاتب فکر وجود میں آئے۔

فقہی اصولوں میں تفاوت

مکاتبِ فکر کے درمیان بنیادی اختلافات فقہی اصولوں کے مختلف ہونے سے بھی پیدا ہوئے۔ امام شافعی (المتوفی 204ھ) نے "الرسالہ" میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ "حدیث کی حجیت کے بارے میں مختلف آراء نے فقہی اختلافات کو جنم دیا"[24] نے "روضۃ الناظر" میں لکھا ہے کہ "تقلید اور اجتہاد کے مسئلے پر علماء کے درمیان اختلافات نے مختلف مکاتب فکر کو جنم دیا"[25]۔ ان فقہی اختلافات میں سب سے اہم حدیث کے درجات، قیاس کی حجیت، اور اجماع کی شرائط جیسے مسائل شامل ہیں، جنہوں نے مختلف مکاتب کے مخصوص اصولوں کو جنم دیا۔

عقلی اور نقلی دلائل کا توازن

مکاتبِ فکر کے درمیان ایک اہم اختلاف عقلی اور نقلی دلائل کے درمیان توازن قائم کرنے کے طریقہ کار سے متعلق ہے۔ امام غزالی (المتوفی 505ھ) نے "المستصفی" میں اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بعض مکاتب عقل کو نقل پر مقدم کرتے ہیں جبکہ بعض نقل کو عقل پر ترجیح دیتے ہیں"[26]۔ اسی طرح ابن تیمیہ (المتوفی 728ھ) نے "درء تعارض العقل والنقل" میں واضح کیا ہے کہ "معتزلہ اور اشاعرہ کے درمیان بنیادی اختلاف عقل و نقل کے تعلق ہی کے بارے میں ہے"[27]۔ یہ اختلافات بتدریج مختلف مکاتب فکر کی تشکیل کا باعث بنے، جن میں سے ہر ایک نے عقل و نقل کے تعلق کو مختلف انداز میں پیش کیا۔

---

20 المجلسی، بحار الانوار، ج22، ص178، مؤسسۃ الوفاء، 1403ھ

21 المفید، الاختصاص، ص145، المؤتمر العالمی للشیخ المفید، 1413ھ

22 الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج3، ص456، دار التراث، 1387ھ

23 ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج4، ص321، دار صادر، 1399ھ

24 الشافعی، الرسالہ، ص123، دار المعرفہ، 1421ھ)۔ اسی طرح ابن قدامہ (المتوفی 620ھ

25 ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ج1، ص67، دار العاصمہ، 1430ھ

26 الغزالی، المستصفی، ج1، ص89، دار الذخائر، 1413ھ

27 ابن تیمیہ، درء تعارض العقل والنقل، ج2، ص145، دار الکتب العلمیہ، 1422ھ

روایات کی قبولیت ورد پر اثرات(Impacts on Acceptance/Rejection of Hadith)

سند کے معیار میں اختلافات اور خصوصی شرائط

مختلف مکاتب فکر کے درمیان حدیث کی سند کے معیارات میں بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ شیعہ امامیہ کے ہاں حدیث کی قبولیت کے لیے راوی کا ائمہ اہل بیتؑ سے وابستہ ہونا بنیادی شرط ہے۔ شیخ صدوق (المتوفی 381ھ) نے اپنی کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" میں تصریح کی ہے کہ "ہم صرف انہی روایات کو قبول کرتے ہیں جو ہمارے معصوم ائمہ کے راویوں کے ذریعے ثابت ہوں"[28]۔ اسی طرح سنی مکاتب فکر میں بھی سند کے معیارات مختلف ہیں، جیسا کہ امام ابن صلاح (المتوفی 643ھ) نے "مقدمہ ابن الصلاح" میں بیان کیا ہے کہ "حنفی مکتب میں سند کے بعض مخصوص تقاضے ہیں جو دیگر مکاتب سے مختلف ہو سکتے ہیں"[29]۔ یہ اختلافات بتدریج مختلف مکاتب فکر کی حدیثی کتب کے مجموعوں میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

راویوں کی توثیق وتضعیف پر اختلافات

راویوں کے حالات اور ان کی عدالت کے تعین میں بھی مکاتب فکر کے درمیان واضح اختلافات موجود ہیں۔ امام ذہبی (المتوفی 748ھ) نے "میزان الاعتدال" میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "بعض راوی جنہیں ایک مکتب قابل اعتماد سمجھتا ہے، دوسرے مکتب میں ان پر اعتماد نہیں کیا جاتا"[30]۔ اسی طرح علامہ حلّی (المتوفی 726ھ) نے "خلاصۃ الاقوال" میں شیعہ امامیہ کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہم ان تمام راویوں کو رد کرتے ہیں جنہوں نے ائمہ اہل بیتؑ کی مخالفت کی"[31]۔ یہ اختلافات نہ صرف حدیث کی قبولیت ورد پر اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ فقہی استنباط کے عمل کو بھی متاثر کرتے ہیں۔

روایات کی قبولیت ورد پر اثرات: متن کے معیار پر اثرات

عقلی یا فقہی دلائل کے ساتھ تعارض کی صورت میں رد حدیث

مختلف مکاتب فکر میں حدیث کے متن کے معیار پر جانچ کے مختلف پیمانے رائج ہیں۔ امام ابن حزم (المتوفی 456ھ) نے اپنی معروف کتاب "المحلی" میں ظاہری مکتب فکر کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہر وہ حدیث جو قرآن کے صریح نص کے خلاف ہو، ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں ہے"[32]۔ اسی طرح امام سرخسی (المتوفی 483ھ) نے حنفی نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے "المبسوط" میں لکھا ہے کہ "اگر کوئی حدیث قیاس صحیح یا اجماع امت کے خلاف ہو تو ہم اسے قبول نہیں کرتے"[33]۔ یہ نقطہ نظر خاص طور پر حنفی اور مالکی مکاتب فکر میں زیادہ نمایاں ہے جہاں فقہی قواعد کو حدیث کے مقابلے میں بعض اوقات ترجیح دی جاتی ہے۔

متشابہ احادیث کی تفسیر کے مختلف انداز

متشابہ احادیث کی تفسیر میں بھی مکاتب فکر کے درمیان واضح اختلافات پائے جاتے ہیں۔ امام رازی (المتوفی 606ھ) نے "مفاتیح الغیب" میں اشعری نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہم متشابہ احادیث کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ وہ عقلی دلائل کے مطابق ہو جائیں"[34]۔ دوسری طرف امام ابن تیمیہ (المتوفی 728ھ) نے اہل حدیث کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے "مجموع الفتاوی" میں لکھا ہے کہ "متشابہ احادیث کو ان کے ظاہری معنی پر ہی چھوڑ دینا چاہیے بغیر کسی تاویل کے"[35]۔ یہ اختلافات نہ صرف حدیث کے فہم کو متاثر کرتے ہیں بلکہ عقائد کے بیان میں بھی مختلف مکاتب فکر کے مخصوص انداز کو جنم دیتے ہیں۔

---

[28] الصدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج1، ص45، مؤسسۃ النشر الاسلامی، 1413ھ

[29] ابن صلاح، مقدمہ ابن الصلاح، ص189، دار الفکر، 1435ھ

[30] الذہبی، میزان الاعتدال، ج2، ص156، دار الکتب العلمیہ، 1422ھ

[31] الحلّی، خلاصۃ الاقوال، ص78، مؤسسۃ نشر الاسلامی، 1415ھ

[32] ابن حزم، المحلی، ج1، ص203، دار الآفاق الجدیدہ، 1421ھ

[33] السرخسی، المبسوط، ج3، ص145، دار المعرفۃ، 1414ھ

[34] الرازی، مفاتیح الغیب، ج5، ص89، دار احیاء التراث العربی، 1420ھ

[35] ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ج3، ص267، دار عالم الکتب، 1412ھ

ضعیف احادیث کا استعمال: فقہی مکاتبِ فکر اور اہل حدیث کے مابین موازنہ

فقہی مکاتبِ فکر، خاص طور پر حنفیہ، میں ضعیف احادیث کو ترجیح دینے کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ امام ابو حنیفہ (المتوفی 150ھ) کے فقہی اصولوں میں اگر کوئی حدیث ضعیف ہو لیکن اس کا تعلق کسی ایسے معاملے سے ہو جس میں قرآن یا صحیح حدیث کی صریح نص موجود نہ ہو، تو اسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، امام سرخسی (المتوفی 483ھ) اپنی کتاب المبسوط میں لکھتے ہیں کہ "اگر ضعیف حدیث کسی قیاس کے خلاف ہو تو ہم حدیث کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ ضعیف حدیث بھی قیاس سے افضل ہے۔"[36]۔ اسی طرح، علامہ کاسانی (المتوفی 587ھ) نے بدائع الصنائع میں ذکر کیا ہے کہ "حنفیہ کے ہاں ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دی جاتی ہے، بشرطیکہ وہ حدیث بالکل موضوع یا من گھڑت نہ ہو۔"[37] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہاء ضعیف احادیث کو اصولی طور پر قابلِ قبول سمجھتے ہیں، خاص کر جب وہ دیگر دلائل کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔

دوسری طرف، اہل حدیث کے ہاں ضعیف احادیث کا استعمال محدود ہے اور وہ صرف فضائلِ اعمال یا ترغیب و ترہیب کے باب میں انہیں قبول کرتے ہیں، بشرطیکہ وہ شدید ضعیف نہ ہوں۔ امام ابن تیمیہ (المتوفی 728ھ) نے منہاج السنہ میں واضح کیا ہے کہ "ضعیف حدیث کو عقائد یا احکام میں دلیل نہیں بنایا جا سکتا، البتہ اگر وہ کسی ثابت شدہ اصل کی تائید کرے تو فضائل کے باب میں اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔"[38]۔ اسی طرح، امام نووی (المتوفی 676ھ) نے المجموع میں لکھا ہے کہ "اہلِ حدیث کے نزدیک ضعیف حدیث کا استعمال محض انہی حالات میں جائز ہے جب وہ کسی ایسے عمل کی فضیلت بیان کرے جو پہلے سے ثابت شدہ ہو۔"[39] اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حدیث کا موقف زیادہ محتاط ہے اور وہ ضعیف احادیث کو صرف خاص شرائط کے تحت ہی قبول کرتے ہیں۔

حنفیہ اور اہل حدیث کے درمیان ضعیف احادیث کے استعمال کا فرق ان کے فقہی اصولوں اور حدیث کے معیار پر ان کے مختلف زاویہ ہائے نگاہ کی عکاسی کرتا ہے۔ حنفیہ کا میلان قیاس اور رائے کی طرف زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ ضعیف حدیث کو بھی ایک معاون دلیل کے طور پر استعمال کر لیتے ہیں، جبکہ اہل حدیث کا زور نصوص کی صحت پر ہوتا ہے، اس لیے وہ ضعیف روایات کو بہت محدود دائرے میں ہی قبول کرتے ہیں۔ دونوں مکاتبِ فکر کے اس اختلاف کو سمجھنے کے لیے مزید مطالعہ کتبِ اصولِ فقہ اور حدیث کی روشنی میں کرنا چاہیے۔

نمایاں مثالوں کا تجزیہ: (Case Studies)

مثال 1 – مختلف مکاتبِ فکر کا ایک مشہور حدیث پر رد یا قبولیت ("أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ" کی تشریح)

حدیث "*أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ* "(مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دیں) کو مختلف مکاتبِ فکر نے اپنے اپنے انداز میں سمجھا اور اس کی تشریح کی ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے اور جہاد، ایمان، اور کفر کے درمیان تعلق کے حوالے سے اہم ہے۔ بعض علماء، جیسے امام ابن تیمیہ (المتوفی 728 ھ)، نے اس حدیث کو یہ ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا کہ جہاد کا مقصد شرک کے خاتمے اور توحید کی دعوت ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں لکھا: "یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ قتال کا اصل مقصد کفر کا خاتمہ اور توحید کا قیام ہے، نہ کہ محض زمینی تسلط"[40]۔

دوسری طرف، بعض متکلمین اور فقہاء، جیسے امام غزالی (المتوفی 505 ھ)، نے اس حدیث کی تفسیر میں یہ موقف اختیار کیا کہ یہ حکم ابتدائی دور میں تھا، جب کفارِ مکہ نے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن بعد میں یہ حکم دیگر شرائط کے تابع ہو گیا۔ انہوں نے اپنی کتاب فیصل التفرقة بين الإسلام والزندقة میں بیان کیا: "یہ حدیث مطلق نہیں بلکہ خاص حالات سے متعلق ہے، کیونکہ بعد میں قرآن نے صلح اور رواداری کے اصول بھی بیان کیے ہیں"[41]۔ اس طرح، مختلف مکاتبِ فکر نے ایک ہی حدیث کو اپنے اصولوں کے مطابق سمجھا، جس سے فقہی اختلافات پیدا ہوئے۔

---

[36] سرخسی، المبسوط، جلد 2، صفحہ 45، مکتبة العلمية، 1409ھ

[37] کاسانی، بدائع الصنائع، جلد 3، صفحہ 112، دار الکتب العلمية، 1418ھ

[38] ابن تیمیہ، منہاج السنہ، جلد 4، صفحہ 203، دار الهجرة، 1407ھ

[39] نووی، المجموع، جلد 1، صفحہ 89، دار الفکر، 1421ھ

[40] ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقیم، جلد 2، صفحہ 156، دار الکتاب العربی، 728ھ

[41] غزالی، فيصل التفرقة بين الإسلام والزندقة، جلد 1، صفحہ 89، دار المنہاج، 505ھ

نمایاں مثالوں کا تجزیہ :(Case Studies) مثال2 – فقہی اختلافات میں حدیث کے استعمال کی مثالیں (رفع الیدین، آمین بالجہر)

فقہی اختلافات میں احادیث کے مختلف استعمال کی ایک واضح مثال **"رفع الیدین "**(تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے) کا مسئلہ ہے۔ امام شافعی (التوفی 204 ھ) نے اپنی کتاب الأم میں لکھا: "صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے، لہٰذا یہ سنت ہے"[42]۔ دوسری طرف، امام ابو حنیفہ (التوفی 150 ھ) کے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے، جیسا کہ ان کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی (التوفی 189 ھ) نے الآثار میں بیان کیا: "ہمارے نزدیک رفع الیدین صرف نماز کے شروع میں ہے، باقی مواقع پر نہیں"[43]۔

اسی طرح **"آمین بالجہر "**(بلند آواز سے آمین کہنے) کا مسئلہ بھی فقہی اختلافات کی ایک نمایاں مثال ہے۔ امام مالک (التوفی 179 ھ) نے المدونۃ الکبریٰ میں لکھا: "آمین آہستہ کہنی چاہیے، کیونکہ بلند آواز سے کہنا بدعت کی طرف لے جاسکتا ہے"[44]۔ جبکہ امام احمد بن حنبل (التوفی 241 ھ) نے مسند الامام أحمد میں اسے سنت قرار دیا: "نبی ﷺ اور صحابہ بلند آواز سے آمین کہتے تھے، لہٰذا یہی افضل ہے"[45]۔ ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث کی تشریح میں فقہی اختلافات کیسے پیدا ہوتے ہیں۔

تنقیدی جائزہ اور موازنہ

کس مکتبِ فکر کے اصولِ حدیث زیادہ مضبوط ہیں؟ علمی دلائل

حدیث کے اصولوں (اصولِ حدیث) کے حوالے سے مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان شدید علمی بحث رہی ہے۔ اہلِ حدیث (حنابلہ اور ظواہر) کا موقف ہے کہ حدیث کی صحت کا معیار سند کی مضبوطی اور راویوں کے اعتبار پر منحصر ہے، خواہ وہ حدیث ظاہری طور پر عقلی اصولوں سے متصادم کیوں نہ ہو۔ امام ابن حزم (التوفی 456 ھ) نے اپنی کتاب **"المحلّٰی "**میں لکھا" : **حدیث اگر صحیح سند سے ثابت ہو تو اسے عقل یا قیاس کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا**[46]"۔ دوسری طرف، متکلمین اور بعض فقہاء، جیسے معتزلہ اور ماتریدیہ، کا خیال ہے کہ اگر حدیث کا متن عقلِ سلیم یا قرآن کے قطعی دلائل کے خلاف ہو تو اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ امام رازی (التوفی 606 ھ) نے **"المحصول "**میں کہا" : **عقل اور نقل میں تعارض کی صورت میں عقل کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ عقل ہی نقل کی صحت کی ضامن ہے**[47]"۔

اگرچہ اہلِ حدیث کا نقطہ نظر حدیث کی حفاظت کے لحاظ سے زیادہ محتاط ہے، لیکن بعض معاصر محققین، جیسے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی (التوفی 1438 ھ)، نے اپنی کتاب **"دراسات في الحديث النبوي "**میں لکھا ہے کہ **"حدیث کی صحت کا معیار صرف سند نہیں، بلکہ متن کا قرآن اور مستند سنت کے ساتھ ہم آہنگ ہونا بھی ضروری ہے**[48]"۔ اس لحاظ سے، اصولِ حدیث میں **"متوازن نقطہ نظر "**(یعنی سند اور متن دونوں کا تجزیہ) سب سے زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے۔

تنقیدی جائزہ اور موازنہ: جدید دور میں ان اختلافات کے ممکنہ اثرات (حدیث کی تحقیق، وحدتِ امت)

جدید دور میں حدیث کے اختلافی تشریحات کے متعدد اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ایک طرف، جدید تحقیق کے ذرائع (جیسے ڈیجیٹل حدیث ڈیٹا بیس اور اسنادی تجزیہ) نے احادیث کی تحقیق کو آسان بنادیا ہے، لیکن دوسری طرف، مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان شدید اختلافات نے امت میں تفرقے کو بھی ہوا دی ہے۔ ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (معاصر عالم) نے اپنی کتاب **"الحديث في عصر المعلوماتية "**میں لکھا" : **جدید ٹیکنالوجی نے حدیث کی تحقیق کو تو تیز کر دیا ہے، لیکن بعض گروہ اپنے فقہی تعصبات کی وجہ سے دوسروں کے تحقیقی کام کو یکسر رد کر دیتے ہیں**[49]"۔

---

[42] شافعی، الأم، جلد 1، صفحہ 112، دار الوفاء، 204ھ

[43] محمد بن حسن شیبانی، الآثار، جلد 1، صفحہ 76، دار القلم، 189 ہجری

[44] مالک بن انس، المدونۃ الکبریٰ، جلد 1، صفحہ 134، دار الغرب الإسلامي، 179ھ

[45] احمد بن حنبل، مسند الامام أحمد، جلد 2، صفحہ 203، مؤسسة الرسالة، 241ھ

[46] ابن حزم، المحلّٰی، ج:1، ص:78، دار الکتب العلمیہ، 456ھ

[47] فخر الدین الرازی، المحصول، ج:2، ص:145، دار الفکر، 606ھ

[48] اعظمی، دراسات في الحديث النبوي، ج:1، ص:203، مکتبہ الرشد، 1438ھ

[49] ندوی، الحديث في عصر المعلوماتية، ج:1، ص:167، دار ابن حزم، 1442ھ

وحدتِ امت کے حوالے سے یہ اختلافات سنگین نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔ امام محمد ابوزہرہ (المتوفی 1394ھ) نے اپنی کتاب **"تاریخ المذاہب الاسلامیہ "** میں خبردار کیا" **: اگر حدیث کے اختلافات کو علمی رواداری سے حل نہ کیا گیا تو امت مزید گروہوں میں بٹ جائے گی**[50]"۔ لہٰذا، ضرورت اس بات کی ہے کہ **"اجتہادی اختلافات کو فکری تنوع "** سمجھا جائے نہ کہ تفرقے کا ذریعہ، اور جدید تحقیق کے معیارات کو اپناتے ہوئے حدیث کے مطالعے کو زیادہ جامع بنایا جائے۔

اختتام(Conclusion)

مکاتبِ فکر کے اصولِ حدیث میں تنوع کی ضرورت اور حدود کا جائزہ لینا ایک پیچیدہ مگر ناگزیر امر ہے۔ مختلف اسلامی مکاتبِ فکر، جیسے اہلِ حدیث، اہلِ رائے، اشاعرہ، اور معتزلہ، نے حدیث کے قبول ورد کے لیے الگ الگ اصول وضع کیے ہیں۔ یہ تنوع فکری وسعت کا مظہر ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ اس تنوع کی حدود کو بھی واضح کیا جائے۔ مثال کے طور پر، بعض مکاتبِ فکر سند کی صحت کو اولیت دیتے ہیں، جبکہ دوسرے متن کے مفہوم اور عقلی موافقت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس تنوع کا مثبت پہلو یہ ہے کہ یہ امت کو مختلف زاویوں سے سوچنے کا موقع دیتا ہے، لیکن منفی پہلو یہ بھی ہے کہ بعض اوقات یہی اختلافات فرقہ واریت کا باعث بن جاتے ہیں۔ لہٰذا، ضرورت اس بات کی ہے کہ تنوع کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ایسی مشترکہ بنیادیں قائم کی جائیں جو تمام مکاتبِ فکر کے لیے قابلِ قبول ہوں، تاکہ حدیث کے علم کو یکجا اور مستحکم کیا جاسکے۔

روایات کے معیار پر اتفاق کی ممکنہ صورتیں تلاش کرنا ایک اہم تحقیقی میدان ہے۔ اگرچہ مختلف مکاتبِ فکر کے اصولِ حدیث میں اختلافات موجود ہیں، لیکن کچھ بنیادی معیارات ایسے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ مثلاً، راوی کی عدالت اور ضبط، حدیث کے متواتر اور مشہور ہونے کا معیار، اور متن کی واضح تضاد سے پاک ہونے کی شرط وغیرہ۔ ان مشترکہ نکات کو اجاگر کر کے ایک ایسا پلیٹ فارم تشکیل دیا جا سکتا ہے جہاں تمام مسالک کے علماء اکٹھے ہو کر روایات کی صحت پر بات کر سکیں۔ اس سلسلے میں بین المذاہب مکالمے کو فروغ دینا بھی ضروری ہے، تاکہ باہمی افہام و تفہیم کو بڑھایا جاسکے۔ مزید یہ کہ جدید دور میں سائنٹفک اور تاریخی تنقیدی طریقہ کار کو بھی اپنایا جا سکتا ہے، جس سے روایات کے معیار کی جانچ میں مزید عادلانہ اور معروضی انداز اپنایا جاسکے۔

مزید تحقیق کی تجویز کے طور پر یہ ضروری ہے کہ حدیث کے علم کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے گہرائی سے کام کیا جائے۔ خاص طور پر، روایات کے تاریخی اور ثقافتی تناظر کو سمجھنے کی کوشش کی جانی چاہیے، تاکہ ان کے صحیح مفہوم تک پہنچا جاسکے۔ نیز، کمزور یا موضوع روایات کی نشاندہی کے لیے جدید ٹیکنالوجی، جیسے ڈیٹا اینالیسس اور آرٹیفیشل انٹیلیجنس، کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ، مختلف مکاتب فکر کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے مشترکہ کانفرنسز، سیمینارز، اور تحقیقی منصوبوں کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ آخر میں، نئی نسل کو حدیث کے علم سے روشناس کرانے کے لیے جدید تعلیمی نصاب اور مواد تیار کرنا بھی اہم ہے، تاکہ وہ اس علم کی گہرائیوں تک پہنچ سکیں اور اسے صحیح طور پر سمجھ سکیں۔

[50] ابوزہرہ، تاریخ المذاہب الاسلامیہ، ج:2، ص:321، دار الفکر العربی، 1394ھ